ظفر اللہ بیگ ایم اے

حضرت ابوبکر صدیقؓ بحیثیت ایک عظیم مدبّر

مسلمان کی پہچان تین باتوں سے ہوتی ہے۔ اس میں پہلی منزل ضرورت پڑنے پر ہجرت کی ہے یعنی دین کی خاطر اپنے اعزہ و اقارب و وطن چھوڑنے میں کس حد تک ثابت قدم رہا۔ دوسری منزل ترکِ مال کی ہے یعنی اس نے اللہ کی راہ میں کیا خرچ کیا۔ تیسری منزل جانی قربانی کی ہے۔ یعنی دین حق کی تبلیغ کے لیے کس حد تک جہاد کیا۔

چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان تینوں باتوں میں اولیّت حاصل کی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی حیاتِ طیبہ ایک ایسا شفاف آئینہ ہے کہ اسے دیکھا جائے تو اس میں ایک ایسے انسان کی صورت نظر آتی ہے جو ہر حیثیت اور ہر لحاظ سے مکمل ہے جن میں وہ تمام اوصاف جو ایک مکمل انسان کے لیے ضروری ہیں بہ یک وقت سمٹ کر جمع ہو گئے تھے۔

ایک انسان کی تکمیل کا دارومدار اس کی ان دو باطنی قوتوں کی تکمیل و تربیت پر موقوف ہے جو قدرت نے اس کے اندر پیدا کر دی ہوں — قوت نظری اور قوت عملی۔

قوتِ نظری : اس میں ذکاوت، تدبّر، حُسنِ فہم اور شہامت وغیرہ شامل ہیں۔

قوتِ عملی : اس سے جو اوصاف پیدا ہوتے ہیں وہ شجاعت، سخاوت، عفت، غیرت، حلم اور خودداری وغیرہ ہیں۔

کسی انسان میں بہ یک وقت ان تمام اوصاف کا جمع ہو جانا انسانی سعادت اور خوش نصیبی کا عروج ہے۔

اگرچہ عمومی طور پر اس وصف میں دوسرے صحابہ کرام بھی شریک تھے لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا مقام سب سے بڑھا ہوا تھا اور وہ حکمت و سعادت کے اس نقطۂ عروج پر فائز تھے جو نبوت سے نیچے اور باقی سب باتوں سے اونچا ہے۔ خلفائے راشدین میں حضرت

عمر فاروقؓ کو وسعتِ فتوحات نظم و نسق اور حکومت کے داخلی و خارجی انتظامات کی وجہ سے تاریخ اسلام میں جو عظمت حاصل ہے وہ ظاہر ہے لیکن دیکھنے کی بات یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کی مدتِ حکومت دس برس ہے اور حضرت ابوبکر کی کل سوا دو برس، اور اس مختصر مدت میں آپ نے جو خدمات سرانجام دی ہیں وہ فاروقی کارناموں کے لیے سنگِ بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ ہوئے تو مسلمانوں بلکہ خود اسلام پہ ایک پُر آشوب دور آگیا تھا۔ چاروں طرف سے خطرات و فتن کی تاریک گھٹائیں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں۔ انصار جن کے اسلام کے بارے میں شک کرنا بھی معصیت ہے۔ سقیفہ بنو ساعدہ میں جمع ہو کر نیابتِ رسولؐ کا فیصلہ کرنے میں مصروف تھے۔ مہاجرین بھی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے تھے حالانکہ ان کا ایمان زیادہ راسخ اور ان کی دینی حمیت اور غیرت سب سے زیادہ قوی تھی مکہ مکرمہ میں منافقین کی ایک کثیر تعداد موجود تھی جو بغاوت کے لیے پر تول رہی تھی۔ ان مختلف گروہوں کے علاوہ متعدد قبائل بھی ملک کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے تھے۔ کوئی مرکزِ حکومت سے قریب تھا اور کوئی دور، کوئی اسلام سے وابستگی رکھتا تھا اور کوئی منحرف ہو گیا تھا۔ کچھ لوگ زکوٰۃ کو دینی فریضہ تو سمجھتے تھے مگر ادا کرنے کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر مختلف تھا۔ ان ہی پُر فتن اور خطرناک حالات میں اسود عنسی، مسیلمہ کذاب، سجاع اور طلیحہ اسدی جیسے نابکار لوگوں نے اپنی مطلب برآری کے لیے مختلف راستے نکالنے شروع کر دیے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں اس قسم کے فتنوں نے کہیں کہیں سر اٹھانا شروع کر دیا تھا مگر اس وقت انھیں کھل کر سامنے آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔

یہ واقعات عین قوانین فطرت کے مطابق تھے، سورج غروب ہو جائے تو تاریکی پھیلا ہی کرتی ہے۔ فصلِ بہار رخصت ہو جائے تو پت جھڑ کا موسم آیا ہی کرتا ہے اور جب کسی خاندان کا سربراہ اٹھ جائے تو اس خاندان کے سنبھلنے میں کچھ دیر لگتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے مسلمانوں کا معاشرہ متاثر نہ ہوتا تو یہ ایک

عجیب سی بات ہوتی۔ چنانچہ عین انسانی فطرت کے مطابق اس وقت کا معاشرہ اس سانحہ جانکاہ سے ہل گیا تھا اور مسلمان مسائل کے خارستان میں الجھ گئے تھے۔ یہ ابوبکر ہی تھے جنھوں نے وفاتِ رسولِ اکرم کے سانحہ عظیم کے باوجود اپنے فہم و فراست کو متوازن رکھا اور دوسروں کے لیے رہنمائی کا باعث بنے۔

یہ قومی وحدت کس نے پیدا کی؟ پورے عرب کو کس نے متحد کیا؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ارتداد بغاوت کا سیلاب جس زور شور سے اٹھا تھا اس کا خاتمہ کس نے کیا؟

اکابر صحابہ بلکہ خود حضرت عمر کی جبین استقلال پر اضطراب و تشویش کی شکن پڑ گئی تھی چنانچہ انھوں نے مشورہ دیا کہ جیش اسامہؓ کو شام کے سرحدی قبائل کی طرف بھیجنا ملتوی کر دیا جائے۔ مانعین زکوٰۃ سے جہاد نہ کیا جائے۔ لیکن خلیفہ رسول نے جس ہمت اور تدبر و سیاست اور عالی حوصلگی کے ساتھ ان سب حالات و حوادث کا مقابلہ کیا وہ انسانی عزم کی تاریخ کا ایک عظیم شاہ کار ہے۔ بڑے بڑے مصنفین بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ ان حالات میں جیش اسامہؓ کا بھیجنا ایسا نقطۂ نظر تھا جس نے قبائل عرب کو اور ایران و روم کی طاقتوں کو نفسیاتی طور پر مرعوب کر دیا تھا۔

ابوبکر نے اسلام کی راہ میں جنگ کی، اس لیے کہ ایسا کرنا ہی حق تھا اور حق آخر کامیابی سے ہمکنار ہوا۔ یہ وہی صدیق تھے جو اتباعِ رسول کے معاملے میں اپنی مثال آپ تھے۔ جہاں رسول کریمؐ کی کوئی سنت نظر آئی، اسے حرزِ جاں بنایا اور مانعین زکوٰۃ کا قلع قمع کر دیا۔ حضرت صدیق نے فتنہ ارتداد کے زمانے میں مرتدین کو جو سبق دیا وہ آپ کے مزاج اور دینِ حق کے عین مطابق تھا۔ مشہور مصری مصنف عباس محمود العقاد لکھتے ہیں:

"قدرت کو یہ منظور تھا کہ مرتدین کے سلسلے میں حضرت ابوبکرؓ اکیلے ہیرو کا کردار ادا کریں۔ اس سلسلے میں تمام لوگوں نے اپنی رائے اور عمل کے مطابق حصہ لیا، مگر جو مقام صدیقؓ کے لیے متعین ہو چکا تھا وہ کسی کو میسر نہ آسکا۔"[۵]

---

۵ عباس محمود العقاد۔ صدیق کامل ترجمہ منہاج الدین اصلاحی، ص ۲۱۴۔ الناشر پریس لاہور

چنانچہ خلیفہ اوّل اتنے ہی بڑے مفکر اور مدبّر بھی تھے جتنے عظیم مومن اور صاحبِ یقین تھے۔ آپ ان لوگوں میں سے نہ تھے جو حزم و احتیاط کی ضرورت ہونے کے باوجود اس سے غفلت برتتے ہیں۔ امورِ خلافت کی انجام دہی کے لیے آپ حضرت عمر فاروقؓ کو مدینہ منورہ میں رکھنا ضروری خیال فرماتے تھے۔ خلیفۃ المسلمین ہونے کی حیثیت سے آپ چاہتے، تو ایک فرمان جاری کر کے حضرت عمرؓ کو اپنے پاس ٹھہرا لیتے، مگر یہ بات بھی انھیں سیاسی بصیرت سے متجاوز نظر آئی اور سپہ سالار سے درخواست کی کہ:

"اگر آپ مناسب سمجھیں تو میں عمرؓ کو مدینہ منورہ میں روک لوں کیونکہ ان کی موجودگی مدینے میں بہت ضروری ہے۔"

آج ہم واقعات پڑھتے ہیں تو ہمیں حیرت ہوتی ہے کہ با اختیار خلیفہ اپنے سپہ سالار کے سامنے کس طرح عجز و انکساری کا اظہار کر رہا ہے مگر تاریخی حقائق کو نگاہ میں رکھا جائے، تو جناب صدیق رضؓ کا یہ طرزِ عمل ان کے مزاج اور کردار سے پوری طرح ہم آہنگ نظر آتا ہے۔

خود خلیفہ رسولؐ عراق و شام کے محاذِ جنگ سے ہزاروں میل دُور مدینے میں اپنے چھوٹے سے غیر آراستہ مکان میں بیٹھا ہے اور وہیں سے اسلامی فوج کی کمان کر رہا ہے، ان کو راستوں کے نشیب و فراز سمجھا رہا ہے، دشمن کے مورچوں کی خصوصیات بتا رہا ہے اور ان کے پیشِ نظر اسلامی لشکروں میں ترتیب و صف بندی قائم کر رہا ہے۔ شام کے محاذ پر جب تعطل پیدا ہوا تو فوراً حضرت خالد بن ولیدؓ کو حکم ہوتا ہے کہ عراق سے شام پہنچیں اور وہاں جو اسلامی فوجیں ہیں ان کی کمان اپنے ہاتھ میں لیں۔ اس حکم کی فوری تعمیل ہوتی ہے اور صورتِ حال یکسر بدل جاتی ہے۔

تاریخ کا ایک طالب علم یہ کہہ سکتا ہے کہ دنیا میں سکندرِ اعظم، ہنی بال، چنگیز خاں، تیمور، اور بڑے بڑے فاتح ہو گزرے ہیں، جنھوں نے نہایت عظیم الشان فوجی کارنامے سرانجام دیئے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ دنیا میں کوئی ایسا عظیم الشان فاتح بھی ہو گزرا ہے جس نے دنیا کی تاریخ کا ورق اُلٹ دیا ہو۔ مگر اس کے باوجود نہ اس کے سر پہ تاج زرفشاں ہو اور نہ اورنگِ سلطانی۔ معمولی آدمیوں کی طرح رہتا ہو، اس میں اور دوسرے لوگوں میں شان و شوکت اور سطوت کے

اعتبار سے کوئی فرق نہ ہو۔ وہ محلے کی بکریوں کا دودھ بھی دوہتا ہو، رات کے وقت چھپ چھپ کر نابینا عورت کے گھر کا کام بھی کر آتا ہو۔ کپڑے معمولی پہنتا ہو، جَو کی روٹی کھاتا ہو۔ اس کے پاس نہ کوئی نوکر، نہ خدام، نہ محلات و قصور ہوں، نہ خزانے۔ نہ سیم و زر کے انبار نہ چوکیدار، نہ دربان، نہ ملٹری گارڈ، اور نہ پولیس کا حفاظتی دستہ، ایک معمولی سے معمولی انسان بھی بر ملا اس کو روک سکتا ہو۔ ایک ادنیٰ حیثیت کا شخص بھی بھرے مجمع میں اس سے باز پُرس کر سکتا ہو، اور جب وہ اپنی فوج کو روانہ کرنے لگے تو اس کے ساتھ دور تک پیادہ روانہ ہو اور اس کا نوعمر فوجی عہدے گھوڑے پر سوار ہو۔ اس کا حال یہ ہو کہ وہ کپڑوں کی گٹھڑی سر پر رکھ کر بازار میں فروخت کرتا ہو۔ کیا فوجی و حربی کارناموں کے ساتھ یہ جمہوریت، یہ مساوات، یہ برابری، یہ تواضع اور انکساری پوری تاریخ عالم میں کہیں نظر آتی ہے۔

ابوبکرؓ بنیادی طور پر محب رسولؐ تھے۔ ان کی دوسری تمام حیثیتیں ثانوی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر ایسے موقع پر جہاں معاملہ احترام اور فرمان پیغمبرؐ کا ہو ہمیں ان کے جذبات نہایت نازک نظر آتے ہیں اور جب ہم خلافت سے قبل اور خلافت کے بعد خلیفۂ رسول کی سیرت کا اندازہ لگاتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ وہی محبت رسولؐ جو قبول اسلام اور ہجرت کے مراحل سے لے کر غزوات اور وفاتِ رسول تک ابوبکر کی زندگی کا امتیازی نشان بنی رہی۔ بعد کی ساری منزلوں میں بھی وہی آپ کا رہنما تھا اور اس کلید سے آپ پیچ در پیچ مسائل کے قفل کھولتے چلے گئے۔ ہم اسلامی خلافت کے ہیرو کی حیثیت سے فاروق اعظم کے نام نامی سے متعارف ہیں اور کوئی شک نہیں کہ ان کے زمانے میں اسلامی خلافت نے آفتاب نصف النہار بن کر ضیا پاشیاں کیں مگر انصاف کی بات یہ ہے کہ اگر ابوبکر صدیقؓ نہ ہوتے تو دنیا فاروق اعظم کے کارناموں سے کبھی روشناس نہ ہو سکتی۔

عباس محمود العقاد مصری لکھتے ہیں :

"صدیق ہر معاملے میں امین سے بڑھ کر امین تھے۔ ایمان میں امین تھے۔ دوستی اور صداقت میں امین تھے۔ فطری اسباب نے گمراہی کے فتنے سے محفوظ رکھا، شریف پیدا ہوئے، بڑوں میں عزیز بن کر رہے اور کمزوروں پر ظلم سے واسطہ ہی نہ رکھا۔ بوڑھے ہو گئے مگر شعور

کی حرارت، یقین کے جوش، مروت و وقار اور محبتِ رسولؐ میں کوئی فرق نہ آیا۔ بوڑھے ہو گئے اور ہر فضیلت بڑی ہو کر اپنی انتہا کو پہنچ گئی۔ نبیؐ پاک کے بعد ہر چیز میں ثانی رہے، قبولِ اسلام میں ثانی، خلافت سنبھالنے میں ثانی مگر اتباع اور لبیک کہنے میں اوّل رہے۔[۲]

شرعی اور دینی امور میں انھوں نے جو عظیم الشان کارنامے انجام دیے، ان کی بنا پر حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی حضرت صدیق کی خلافت کو "خلافتِ خاصہ"[۳] کا عہد قرار دیتے ہیں۔

محمد حسین ہیکل مشہور مصری مورخ لکھتے ہیں:

"حضرت ابوبکرؓ کی اختیار کردہ سیاست کامیابی اور ظفرمندی کی ضامن تھی۔ ان کا عہد جہاں عدل و انصاف اور رعایا پر شفقت کے لحاظ سے اپنی نظیر نہیں رکھتا، وہاں اس اولوالعزمی کا بھی جواب نہیں جس کا نمونہ انھوں نے اپنے مختصر عہدِ حکومت میں پیش کیا۔"[۴]

صدیق اکبرؓ دنیا سے رخصت ہو گئے مگر اس شان کے ساتھ کہ آخری لمحوں تک محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و احترام ملحوظِ خاطر رہی۔ سکراتِ موت میں حضرت عائشہ صدیقہؓ سے پوچھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کتنے کپڑوں میں دفن کیا گیا تھا، جواب ملا تین کپڑوں میں، آپؓ دو بوسیدہ کپڑے پہنے ہوتے تھے۔ کہنے لگے، دو تو یہ ہیں، ایک نیا کپڑا خرید کر مجھے کفن دے دینا۔ حضورؐ کے کفن کے استفسار کے بعد ایک اور خیال بھی دامن گیر تھا۔ آرزو یہ تھی، کہ میرا انتقال بھی اس دن ہو جس دن رسول کریمؐ کا ہوا، اور پھر وصیت بھی یہ کی کہ مجھے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

۲۔ عباس محمود العقاد: صدیق کامل، مترجم سراج الدین اصلاحی، ص ۳۰۲۔ انشا پریس لاہور۔

۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ۔ ازالۃ الخفاء جلد ۱، ص ۹۔

۴۔ محمد حسین ہیکل: ابوبکر صدیق اکبرؓ، مترجم شیخ محمد احمد پانی پتی، ص ۳۰۵۔ نقوش پریس لاہور۔